Research Journal
Tahqeeqat
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

صدیق عالم کے ناول "صالحہ صالحہ" میں وجودیت

Existantionalism in Siddique Aalam's Novel "Saleha Saleha"

Dr. Fareed Hussaini
Assistant Professor Department of Urdu, University of Chakwal, Chakwal
Dr. Ahmad Hussain Haady
Houston, U.S.A.

ڈاکٹر فرید حسینی
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف چکوال، چکوال
ڈاکٹر احمد حسین ہادی
ہوسٹن، یو۔ایس۔اے

Abstract

Urdu fiction, in a very small span of time, achieved milestone in terms of experiments of technique. From 1st novelist i.e. Deputy Nazir Ahmad to Munshi Prem Chand, novel succeeded to attract the attention of readers, although mostly written in simple narrat technique. But before ending 19th century Mirza Hadi Ruswa's "Umrao Jan Adaa" published and became a trend setter, specially the psycho analysis of its central character. In true sense, western techniques of writing incorporated by Qurat-ul-Ain Haider in "Aag ka Darya". The antemporary novelists like Intzar Hussain and Abdullah Hussain also strength their style from western writers. In 21st century, which is being called "Century of Novel" produced many artist, who really added beautiful piece of art. And one ot them is Siddique Alam.In his novel "Saleha Saleha" he used the modern western techniques to eleborate human tragedy in sub-continent. The story revolves round the central character of "Saleha". This woman went trrough multiple accidents in her life from birth to mature age and at the end force to leave her home, homeland after losing husband, three younger sons.Novelist potray the reflection of a civilization with an artistic way. During reading, readers multiple senses work together and he experiences many shades of life. In this article efforts have been made to highlight the central theme of the story.

Keywords: *Civilization, Siddique, Saleha, River, Garden*

کلیدی الفاظ: تہذیب، صدیق، صالحہ، دریا، باغ

انیسویں اور 20ویں صدی کے سنگم پر مغربی لٹریچر نے ماڈرنزم (modernism) اصطلاح کو برتنا شروع کیا بنیادی طور پر یہ لکھت کی روایت سے بغاوت کی تحریک تھی۔ سیاست کی چیرہ دستیاں جب مہلک شکل اختیار کر گئیں اور قاری کی سوجھ بوجھ میں متضدبہ اضافہ ہو گیا تو کہنہ طرز اظہار، جو کہ اکہری معنویت کا حامل تھا، کے سانچوں میں تبدل رونما ہوا۔ ادیبوں نے فن میں مروجہ ہیئت اور تکنیک میں تجربات شروع کیے۔ انھوں نے مندرجہ ذیل چار عناصر کو ماڈرنزم کے خواص قرار دیا:

(ا) فرد / ذات بطور موضوع

(ب) ابہام

(ج) علامتی انداز

(د) ہیت و اسلوب

جدیدیت کے علمبرداروں میں (فکشن کے حوالے سے) جیمز جائس، ورجینیا وولف، فرانز کافکا جوزف کونریڈ، ڈی ایچ لارنس، مارشل پراؤسٹ وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ میٹامارفورس (Metamorphosis) اور یولیسس (Ulysses) جو بالترتیب 1915ء اور 1920ء میں شائع

ہوئے، کو افسانوی ادب میں مزکورہ بالا تھیوری کی معراج تصور کیا جاتا ہے۔ بیسویں صدی کے نصف دوم میں اردو فکشن میں مغربی لکھت کی تکنیک استعمال ہونا شروع ہوئی۔ صدیق عالم نے اپنی افسانوی تحریروں میں اس طرز اظہار کو برت کر نہ صرف معاصرین میں انفرادیت پیدا کی بلکہ مقامی ناول کی تاریخ میں سنگ میل عبور کیا۔ انھوں نے بیسیوں بار ایسی کہی گئی کہانیوں کو نئے ڈھنگ سے پیش کیا۔ پلاٹ کے خمیر میں مواد کو سلیقے سے گوندھ کر حقیقت اور تجرید کے تال میل سے تخلیقی عمل کی چھلنی سے گزارا، علامت کو مبہم بنا کر ایسی ہی ہیئت ترتیب دی جو قاری کے لیے تجسس اور تفکر کا باعث بنتی ہے۔ فلاسفی اور تھیم (Theme) ہر دو کہانی پن پر حاوی نہیں ہوتے بلکہ وہ بین السطور اپنا اسبات کرتے ہیں۔ ای۔ ایم فاسٹر کا قول:

"ہم سب اس بات پر قائم ہیں کہ ناولوں کی بنیاد اس کے قصہ پن پر قائم ہے۔"(۱)

نثر میں نظم کی سی تنظیم ہے جو لفظ اور خیال میں غیر محسوس ربط رکھتی ہے۔ اول تا آخر وحدت تاثر ان کے فن کی اختصاص ہے۔ "صالحہ صالحہ" ان کا ایسا ناول ہے جو ایک خاتون صالحہ نامی کے شخصی کرب کو موضوع بناتا ہے، جبکہ دوسری صالحہ جو نہ صرف مرکزی کردار کی ہم نام ہے بلکہ اس کی ہم شکل بھی ہے، عجیب ذہنی اور نفسیاتی عارضے میں مبتلا دکھائی گئی ہے۔ جسم اور روح کی اذیت جو ماڈرن دنیا کی دین ہے، دو خواتین کا مقدر بنا کر پیش کی گئی ہے۔ کہانی ابہام کی دھند میں لپٹی ہوئی ہے، دوران قرأت حواس کی سبھی قوتوں کو ابھارنے کی صلاحیتوں سے مالامال ہوتے ہوئے بھی آسانی سے معنی کا سرا نہیں پکڑاتی۔ صالحہ اور صالحہ کے افعال اور خیالات تک میں یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ ایک کی زندگی پر گزری اذیت کی ٹیس دوسری محسوس کرتی نظر ہے۔ اس مشابہت پر مالکن صالحہ کا شوہر بھی دھوکہ کھا جاتا ہے اور وہ ملازمہ صالحہ سے کہتا ہے:

"تم صالحہ ہی ہو؟ اس نے صحن میں لگے بیسن میں منہ میں جمع نل کا پانی گراتے ہوئے کہا۔ اگر کسی دوسری جگہ ملاقات ہوتی تو میں دھوکا کھا جاتا۔"(۲)

صالحہ کی داستان حیات میں اس کے جسم پر لگے گھاؤ وقت کا مرہم بھی مندمل نہ کر سکا، وہ جب کبھی ناپسندیدہ صورتحال میں گھرتی، وہ زخم ہرے ہو جاتے۔ مالکن کے شوہر سے پہلی مڈھ بھیڑ میں صالحہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا مالکن کو اس کی پیٹھ پر گیلا پن صاف دکھائی دینے لگا اور وہ پوچھنے لگی:

"تمہاری پیٹھ گیلی ہو رہی ہے، مجھے لگتا ہے وہاں پر خون رسنے لگا ہے تمہیں کوئی چھوت کی بیماری تو نہیں؟.. اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ دیر تک صالحہ کی ننگی پیٹھ کا معائنہ کرتی رہی جہاں چابک کے آڑے ترچھے نشانات پر منجمد خون کے قطرے جم گئے تھے۔ وہ برا کو سینے پر تھامے بیٹھی تھی۔ صاف نظر آ رہا ہے یہ چابک کی نشان ہیں یہ تمہارے جسم پر کیسے آ گئے۔"(۳)

کمسنی میں اس پر ڈھائے گئے ظلم، وہاں سے فرار، ماں کا اسے ایک متمول خاندان کو فروخت کر دینا، کم عمری کی شادی، نشئی نکھٹو شوہر کے ساتھ نباہ کے باوجود زندہ رہنا ایک عورت کا کمال ہے۔ یتیم خانہ جو پناہ گاہ اور بے آسروں کا آسرا تھا وہاں مردوں کے ہاتھوں لگے چرکے صالحہ کو مردذات سے بدزن کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہ کر تین بچے جننے کے باوجود ازدواجی تعلقات میں دوطرفگی پیدا نہ کر سکی۔ مالکن صالحہ کے شوہر سے خوف کھانا وہ معمہ ہے جو قاری کے لیے کہانی کی تکمیل کے بعد بھی حل نہیں ہوتا۔

مالکن کا شوہر جب صالحہ سے ہم کلام ہوتا ہے:

''صالحہ کا چہرہ کتنا زرد پڑ گیا تھا، وہ اپنی جگہ کھڑی آنکھیں بند کئے تھر تھر کانپ رہی تھی جب مالکن بر آمدے پر نکل آئی۔ وہ کوئی راکھشس نہیں کہ تمہیں کھا جائیں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اپنی آنکھوں کو اتنے عجیب ڈھنگ سے بند کیوں کر رکھا ہے؟''(۴)

یہ وہ آدمی ہے جس کے کمرے میں جانے سے مالکن نے منع کر رکھا ہے اور ایک ملاقات میں صالحہ کے استفسار کے باوجود مالکن کے شوہر نے اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا۔ یہ پر اسراریت ناول میں جگہ جگہ موجود ہے۔۔ ''صالحہ صالحہ'' میں مذکور نفسیاتی الجھنیں اور باطنی احساسات کو مہارت کے ساتھ تخلیق کا حصہ بنایا گیا اور شاید یہی فکشن کی کسوٹی کا اعلیٰ معیار ہوتا ہے۔ ای ایم فاسٹر نے فرانسیسی نقاد ایلن کے نقطہ نظر کو یوں بیان کیا ہے:

''ہر انسان کی شخصیت کے دو پہلو ہوتے ہیں جو تاریخ اور فکشن سے پوری طرح مطابقت رکھتے ہیں، انسان کے اندر پائی جانے والی ساری قابل مشاہدہ باتیں یعنی اس کے افعال اور افعال سے اخذ شدہ روحانی وجود تاریخ کے زمرے میں شمار کیے جائیں گے۔ لیکن رومانوی یا افسانوی پہلو خالص جذبات یعنی خواب، مسرت، غم واندوہ اور خود کلامی شامل ہیں جن کے اظہار یا تذکرہ کی راہ میں شرم اور اخلاق حائل ہوتے ہیں اور انسانی فطرت کے اسی پہلو کو اجاگر کرنا ناول کے اہم مقاصد میں سے ہے۔''(۵)

اعلیٰ اخلاقی قدروں کی موجودگی گئے گزرے معاشروں میں بھی اپنا وجود برقرار رکھتی ہے۔ زمانے اور سماج کی بے رحم چکی میں پستی ایک عورت اس مقام پر فائز نظر آتی ہے، جو مہذب اور حساس ترین انسان کا منصب ہے۔ تین بچوں اور شوہر کی المناک موت کے بعد جب صالح منہ بولے والدین سے ایک بھاری بھر رقم وصول کرنے میں کامیاب ہوتی ہے تو وہیں اسی بستی میں غریب مفلوک الحال زخموں سے چور انسان کو دان کر آتی ہے۔ وہ شخص جس کی زندگی کی بے معنویت کو یوں اجاگر کیا گیا ہے:

''میدانوں کی طرف سے سناٹا تیزی سے قدم بڑھا رہا تھا۔ وقت سے پہلے ہی جھینگر بولنے لگے تھے۔ اس نے دوبارہ دستک دی۔ کچھ دیر بعد کھڑکی کھل گئی، اس میں پٹیوں سے جکڑا ہوا آدمی کھڑا تھا، اس کی پٹیوں پر آسمان کی لالی آ گئی تھی۔ اس کی واحد آنکھ کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے اس سے خون کا ایک قطرہ ٹپکنے کے لیے بے چین ہو۔ "اپنے انسو بچا کر رکھیے" صالحہ نے لفافہ کھڑکی کے چوکھٹ پر رکھتے ہوئے کہا۔ وہ لوگ پھر آئیں گے اور ہمیشہ تمہاری اس کو آتے رہیں گے۔''(۶)

بچپن کی معصومیت کو کئی مقامات پر اجاگر کیا گیا ہے۔ اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کی گمشدگی کے کئی روز بعد مالکن کے اسی عمر کے بیٹے سے ملاقات کے وقت مامتا کے جذبے کو صفحۂ قرطاس پر جس انداز سے صدیق نے منتقل کیا ہے وہ بے مثل ہے:

''بچہ اپنی جگہ پر بیٹھا صالحہ کے گمشدہ بچے کی آنکھوں سے اس کی طرف تاک رہا تھا۔ آنکھوں سے بچنے کے لیے وہ رہ رہ کر اجڑے ہوئے باغ کی طرف تاکتی جاتی، جس کی جھاڑیاں اور پتے دھوپ سے تمتما رہے تھے۔۔۔۔ یہ میرا چھوٹا بچہ ہے اور تم اسے دیکھ کر اتنی حیران کیوں ہو؟ تم اس سے مل سکتی ہو، اس نے اپنے بچے کا کندھا تھام کر اسے صالحہ کے سامنے پیش کیا۔ صالحہ کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ جھک کر بچے کو پیار کرے۔''(۷)

بلی کو بطور علامت برتا گیا ہے وہ دونوں صالحہ کے گھروں میں موجود ہیں اور دونوں کو بلیوں سے محبت ہے۔ صالحہ اور بلی کو parallel رکھ کر دیکھیں تو ایک عجیب پر اسراریت کی فضا بنتی ہے۔ جب مالکن صالحہ عدم کو سدھار جاتی ہے اور صالحہ اس گھر کو وداع کہہ کر نکلتی ہے تو تمام بلیلاں اس کی ذات کا حصہ بن جاتی ہی:

"وہ جیسے جیسے بلی کی زنجیر تھامے سیڑھی اتر رہی تھی چھت سے، دالان سے، دیواروں سے، روشندانوں سے، ستونوں کے کارنش سے، یہاں تک کے باہر لٹکتی جھلملیوں کے اوپر سے بلیلاں اتر رہی تھیں اور بغیر کوئی آواز پیدا کیے صالحہ کے سائے میں ضم ہوتی جارہی تھی۔" (۸)

وہ گلزار جہاں وہ ہم جولیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی، وہی باغ جہاں کھیلتے کھیلتے وہ سن بلوغت کو پہنچی تھی، جہاں اس کے زیر جامے خون سے آلودہ ہوئے تھے۔ صالحہ کے نکلنے کے بعد وہ چمن بھی اس کے مقدر کی طرح کملا گیا۔ دوسرا باغ وہ تھا جہاں صالحہ ملازمت کے لیے آئی۔ مالکوں کی کوٹھی سے ملحق پچھواڑے میں۔۔۔۔۔ مگر عدم توجہ کی وجہ سے ویرانی کا منظر پیش کرتا ہوا۔ صالحہ چاہتی تھی یہ گلستان پھر سے آباد ہو۔ مالکن کے شوہر نے ایک مرتبہ پوچھا بھی تھا:

"میں نے سنا ہے تمہیں ہمارا باغ بہت پسند ہے۔ اور تم اسے پھر سے واپس لانا چاہتی ہو۔ کیا واقعی؟" (۹)

کہانی کی بنت میں تہ داری کو مد نظر رکھیں تو یہ تہذیب کے اجڑنے کی طرف اشارہ ہے۔ وہ سرزمین جہاں شروع میں بچے چرانے والے آتے. ماؤں کی کوکھ ویران کرتے چلے جاتے ہیں۔ پھر بستی گروہی فسادات میں گرتی چلی جاتی ہے۔ جوا کمار بازی نشہ جیسی سماجی لعنتیں معاشرے کو کمزور کرتی ہیں کسانوں کا استحصال معمول بن جاتا ہے اور اخر میں ہولناک مناظر ابھرتے ہیں:

"آسمان پر دھند چھائی ہوئی تھی جس میں سورج کسی مکڑی کے جالے کی طرح نظر ارہا تھا جب دربان چوراہے پر نمودار ہوا اور کن سامنے رک کر محلے کے جلے ہوئے گھروں کی طرف دیکھنے لگا جو دھند میں ڈوبے ہونے کے باوجود دوسرے گھروں کے مقابلے میں زیادہ سیاہ نظر ارہے تھے.. اس کے لیے یہ طے کرنا مشکل تھا کہ ان جلے ہوئے گھروں میں دالان والا گھر کون سا تھا۔" (۱۰)

ناول میں تخلیقی وفور کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ حقیقت کو تخیل کے ساتھ آمیز کر کے دلکش اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ اسی بابت سہیل بخاری نے لکھا ہے:

"ادب کا مقصد تو تخلیق حسن ہے اور یہ مقصد بغیر تخیل کی امداد کے حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے ادب میں واقعیت کے بجائے تخیلیت کی اہمیت ہے۔"(۱۱)

یوں تو کہانی مرکزی کردار کے گرد گھومتی ہے اور اس کے شخصی زوال اور اس کی وجودیت (Existance) پر سوالیہ نشان لگا دیتی ہے مگر اس کے ارد گرد وقوع پذیر مختلف واقعات اور کردار موضوع کو انفرادی کی بجائے اجتماعیت عطا کرتے ہیں۔ اس میں شامل مختلف علامتیں تفہیم میں مددگار بن جاتی ہیں۔

مثلاً دریا، اس کا پل، آر پار بسنے والی دو دنیائیں، ہندوستان کے بڑے المیہ کی طرف دھیان دلواتے ہیں:

"دریا میں طوفان آیا ہوا تھا، پل پر ہوا تیز چل رہی تھی، اس کے داخلے پر ایک بوڑھی عورت کنکریٹ کے فٹ پاتھ پر بیٹھی انگیٹھی پر پنکھا جھلتے ہوئے شکر قند سینک رہی تھی.... کچے شکر قند اور کوئلے سے بھری بوریاں پاس ہی دھری ہوئی تھی، جن پر رکھے وکر کے پنجرے کے اندر ولایتی چوہا اپنے پنجوں پر بیٹھا ایک کچے امرود کو دونوں ہاتھوں سے تھامے اس پر دانت تیز کر رہا تھا۔" (۱۲)

دریا میں ہلچل، پل پر تیز ہوا اور ولایتی چوہا، پل کے اس پر جگہ جگہ چمنیاں جن سے شعلے لپک رہے تھے۔ دھند میں معدوم ہوتی شکر قند بیچنے والی بڑھیا، کہانی کے اختتامی پیراگراف میں مذکور ہیں۔ یہاں ویسٹ لینڈ نظم میں بیان کیے گئے دریائے ٹیمز میں تیرنے والے خالی ٹین کے ڈبے اور چوہوں کا چیزوں کو کترنے کی طرف دھیان چلا جاتا ہے جو جنگ کی تباہی اور سرمایہ داری نظام کا بیان لئے ہوئے ہے۔ اس ناول میں فرد کی بے معنویت، روحانیت کی موت، فطرت اور روایت کے اندر انڈسٹریلائزیشن اور نوآبادیت کا بخشا عفریت کو اجاگر کیا گیا ہے:

"تم شہر کو چھوڑ کر جا رہے ہو؟ بقچہ دوسری بغل میں منتقل کرتے ہوئے وہ دربان کے سامنے رک گیا۔ پل کے اس پار کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لیے تو میں جا رہا ہوں۔ لیکن پل سے گزر کر تم جس شہر کے اندر جاؤ گے۔ اسے کبھی ویسا نہیں پاؤ گے۔ اس لیے حیران ہونے کی عادت ڈال لو۔" (۱۳)

ناول نگار نے جزیات نگاری کے توسل سے انسانی اور معاشرتی اہم احساسات و جذبات قاری تک منتقل کیے ہیں۔ مرکزی کردار کی سگی ماں سے لے کر مالکن تک اس سے تعلق کاروباری انداز میں رکھتے ہیں اور مردوں میں سوائے منہ بولے باپ کے سب اسے ہوس کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ صورتحال کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صالحہ کو سہارا دینے کے لیے تو درکنار دلاسا دینے کے لیے بھی کوئی کندھا نہیں ملتا:

"وہ آدھا راستہ طے کر چکی تھی جب اس واقعہ کو یاد کر کے اس کا دل کانپ گیا۔ ٹھیک اسی وقت اسے دور سے سرکاری کنواں نظر آیا جہاں لوگوں کا ہجوم دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بجلی کے کھمبے سے لپٹ کر رونے لگی۔" (۱۴)

ہندوستانی سماج کی روایت میں توہم کو خاص مقام حاصل رہا ہے اور دیہی علاقوں میں آج بھی ہے۔ کہانی میں پیش آمدہ واقعات کے لیے خوبصورتی سے اس کا استعمال کیا گیا ہے۔ صالحہ کے شوہر کے قتل ہونے والے دن وہ کام والے گھر میں پریشان تھی۔ مالک کی درز دیدہ نگاہوں سے وہ خوفزدہ ہو گئی۔ جھاڑو اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اس کے دونوں پیر برف کی طرح منجمد ہو گئے وہ بہت عجلت میں گھر کی طرف بھاگی:

"صحن سے گزرتے وقت ایک کالے رنگ کا بلا اس کا راستہ کاٹ گیا تھا۔" (۱۵)

پلاٹ composite اور مربوط ہے۔ اسلوب کی دلفریبی قاری کو اول سے آخر تک intact رکھتی ہے۔ علامتوں کا استعمال کاریگری سے یوں ہوا ہے کہ وہ پہلی قرأت میں تو روایتی معنی دیتے ہیں مگر تفکر کی عینک سے اور بغائر دیکھیں تو نئے مفاہیم سامنے آنے لگتے ہیں مثلاً کنواں جو کہانی کے ٹائم فریم (زمانے) کے لحاظ سے آبپاشی اور آب نوشی کے لیے مستعمل تھا اس میں سے بلبلاں اور انسانوں کی لاشیں برامد ہو رہی ہیں۔ بلی کی علامت بالکل نئے اور اچھوتے مطالب دیتی ہے۔ دریا دو دنیاؤں کے بیچ حد فاصل یا تقسیم کی لکیر کے طور پر آیا ہے۔ ولایتی چوہا شاید مغربی ٹیکنالوجی اور ثقافت ہے جو مشرقیت کو ٹکڑوں میں بانٹ رہی ہے۔

عظیم الشان صدیقی نے لکھا تھا:

”ناول میں چونکہ انسان کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے اور اس کے گرد واقعات کا تانا بانا بنا جاتا ہے اور اس کے تعلق سے زندگی کی معنویت اور اس کی داخلی قوتوں اور خارجی رشتوں کی کائنات سے کائنات کی دیگر حقیقتوں کی تلاش کی جاتی ہے اس لیے اکثر ناولوں کو Novel of characters کہا جاتا ہے۔“(۱۶)

اس ناول میں صالحہ کے کردار کے ذریعے مرکزی خیال کا ہیولا تیار کیا گیا ہے اور اس کی اہمیت بھی اسی کردار کے ذریعے واضح کی گئی ہے۔ صالحہ کا بلی کی زنجیر پکڑے کہیں چلے جانا اور اس کے اپنے گھر سمیت تمام بستی کا آگ میں لپٹے ہونا ایسی ہجرت کی طرف اشارہ ہے جس میں دھرتی پر اس کا وجود ایک بوجھ بن چکا تھا:

”اللہ حافظ گھر۔ تم پہلے بھی ہمارے کبھی نہ تھے صالحہ نے گھر کے گیلے چوکھٹ کو چومتے ہوئے کہا اور اس کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو نکل آئے تھے۔ میری زندگی میں جو بھی اچھا یا برا تھا وہ میں نے تیرے اندر ہی دیکھا ہے۔“(۱۶)

بستی کو چھوڑتے ہوئے جو منظر دکھایا گیا ہے۔ وہ کچھ یوں ہے:

”اس کے دالان اور اس سے لگے چھپر سے دھواں نکلنے لگا تھا جو ہوا کے زیر اثر ادھر ادھر ہوتا ہوا پھر اپنی لکیر پر ستوار ہو جاتا، کچھ ہی دیر کے اندر چھپر کے اوپر آسمان آس پاس کے مقابلے سیاہ ہو گیا اور کھپریلوں سے آگ کی لپٹیں بلند ہونے لگیں۔ یہ لپٹیں دالان گھر کی کھڑکیوں سے بھی باہر آ رہی تھیں۔ محلے سے چیخ و پکار سنائی دینا شروع گئی تھی کنویں کی طرف کچھ لوگ چلا رہے تھے اور عورتیں چیخ رہی تھی اور جب کہ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا اور گلی کے اندر ہر کسی کو اپنے گھر کی پڑی تھی۔ صالحہ نے آخری بار اپنے چھپر کی طرف دیکھا جو اب پوری طرح شعلوں کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔“(۱۸)

خلاصہ بحث

صدیق عالم کا ناول "صالحہ صالحہ "ایک فکری و وجودی بیانیہ ہے جو برصغیر کی تہذیبی شکست، عورت کے وجودی بحران، اور انسان کے انفرادی و اجتماعی دکھ کو عصری تناظر میں بیان کرتا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار "صالحہ" ایک ایسی عورت ہے جو بچپن سے لے کر بڑھاپے تک مسلسل حادثات کا شکار رہتی ہے۔ اس کا وجود نہ صرف خارجی سانحات سے مجروح ہوتا ہے بلکہ داخلی طور پر بھی وہ شناخت، تحفظ اور محبت کے خلا سے گزرتی ہے۔ ناول کے اختتام پر وہ اپنے شوہر اور تین بیٹوں کو کھو دینے کے بعد گھر اور وطن چھوڑنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

"صالحہ" محض ایک کردار نہیں بلکہ پورے تہذیبی بحران کی نمائندہ علامت ہے۔ اس کی زندگی کے تجربات قاری کو ایک ایسے وجودی کرب سے روشناس کرواتے ہیں جو نہ صرف عورت بلکہ ایک پوری تہذیب کی تنہائی، اجنبیت اور بقا کی جدوجہد کا عکس پیش کرتے ہیں۔ ناول کا اسلوب، علامتی انداز، داخلی خود کلامی، اور ماحول کی منظر کشی جدید مغربی تکنیک سے متاثر ہے لیکن اس میں مقامی رنگ اور پس منظر بھی پوری شدت سے موجود ہے۔ صدیق عالم کا یہ ناول نہ صرف ایک عورت کی زندگی کی کہانی ہے بلکہ انسانی وجود کے اس پہلو کو بھی اجاگر کرتا ہے جو مسلسل سوالات، عدم تحفظ، اور بے معنویت کی گرفت میں ہے۔ یہی پہلو اس ناول کو وجودیت کے فکری دائرے میں ایک اہم مقام عطا کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ ای۔ایم فاسٹر،ناول کا فن،ترجمہ:ابوالکلام قاسمی،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،1992ء،ص:15
۲۔ صدیق عالم،صالحہ صالحہ،مشمولہ:آج،ادبی کتابی سلسلہ،شمارہ108،کراچی،2019ء،ص254
۳۔ ایضاً،ص:254۔255
۴۔ ایضاً،ص:254
۵۔ ای ایم فاسٹر،ناول کا فن،ترجمہ:ابوالکلام قاسمی،ص:27
۶۔ صدیق عالم،صالحہ صالحہ،مشمولہ:آج،ادبی کتابی سلسلہ،شمارہ108،ص:293
۷۔ ایضاً،ص:244۔245
۸۔ ایضاً،ص:306
۹۔ ایضاً،ص:256
۱۰۔ ایضاً،ص:256
۱۱۔ سہیل بخاری،اردو ناول نگاری،اعلیٰ الحمراء پبلشرز،دلی،1972ء،ص:15
۱۲۔ صدیق عالم،صالحہ صالحہ،مشمولہ:آج،ادبی کتابی سلسلہ،شمارہ108،ص:308
۱۳۔ ایضاً،ص:388
۱۴۔ ایضاً،ص:256
۱۵۔ ایضاً،ص:256
۱۶۔ عظیم الشان صدیقی،اردو ناول آغاز وارتقا(1857ء تا1914ء)،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی،2008ء،ص:24۔25
۱۷۔ صدیق عالم،صالحہ صالحہ،مشمولہ:آج،ادبی کتابی سلسلہ،شمارہ108،ص:301
۱۸۔ ایضاً،ص:302

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. E.M. Foster, Novel Ka Funn, Tarjuma:Abu-ul-Kalam Qasmi, Educational Book House, Ali Garh, 1992, P:15
2. Siddique Alam, Saleha Saleha, Mashmoola: Aaj, Adbi Kitabi Silsila, Shumara 108, Karachi, 2019, P:254
3. Ibid, P:254-255
4. Ibid, P:254
5. E.M. Foster, Novel Ka Funn, Tarjuma: Abu-ul-Kalam Qasmi, P:27

6. Siddique Alam, Saleha Saleha, Mashmoola: Aaj, Adbi Kitabi Silsila, Shumara 108, P:293
7. Ibid, P:244-245
8. Ibid, P:306
9. Ibid, P:256
10. Ibid, P:256
11. Sohail Bukhari, Urdu Novel Nigari, Aala Alhamra Publishers, Delhi, 1972, P:15
12. Siddique Alam, Saleha Saleha, Mashmoola: Aaj, Adbi Kitabi Silsila, Shumara 108, P:308
13. Ibid, P:302
14. Ibid, P:256
15. Ibid, P:256
16. Azeem-us-Shan Siddiqui, Urdu Novel Aaghaz-o-Irteqa(1857 to 1914), Educational Publishing House, Delhi, 2008, P:24-25
17. Siddique Alam, Saleha Saleha, Mashmoola: Aaj, Adbi Kitabi Silsila, Shumara 108, P:301
18. Ibid, P:388